ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

Vol.9. No.1.2026

مختار مسعور فن کے جادوگر (آواز دوست کے تناظر میں)

بلال احمد

لکچرار شعبہ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج پبی نوشہرہ

university.uop@gmail.com

ڈاکٹر مہر النساء

لکچرار شعبہ اردو

گورنمنٹ فرنٹئر کالج برائے خواتین پشاور

mehrmarwa18@gmial.com

مصباح نوشابہ گل

لکچرار شعبہ اردو گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج چغرمٹی پشاور

Misbahgulal@gmail.com

Abstract

Mukhtar Masood's style of writing reflects his captivating and multifaceted personality, which at every turn appears connected to the intellectual tradition of Aligarh. Since Aligarh is a symbol of the freedom movement and the concept of Pakistan, Masood's style also embodies the values of Islam, liberty, and the homeland.For him, language holds a central position. A deep affinity with Persian and Urdu literature, a mature intellect, careful choice of words, and timely references to history lend a unique dignity to his writing. These are the hallmarks of a writer with a distinctive style.Furthermore, his logical analysis and his forthright, no-holds-barred manner of expression create not only charm but also a sense of vigour in his prose. This is the very distinction that sets him apart from other writers and grants his style an enduring, timeless quality.This article covers the literary journey of Mukhtar Masood.

کلیدی الفاظ: استعارے، فنی خوبیاں، اسلوبیاتی انفرادیت، رمز و علامت، تلمیحات، تاریخی شعور، تکنیکی حربے۔

مختار مسعود نے 15 دسمبر 1926ء کو سیالکوٹ میں جنم لیا، مگر ان کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ وہ تاریخ اور جائے پیدائش جیسی روایتی تفصیلات کو قطعی اہمیت نہیں دیتے تھے بلکہ دانستہ انہیں نظر انداز کر دیتے تھے۔ مقامِ پیدائش کے حوالے سے جو مغالطہ پایا جاتا ہے، اس کی بنیادی وجہ ان کے خاندانی پس منظر میں پوشیدہ ہے۔ مختار مسعود کے والد پروفیسر شیخ عطاء اللہ جو ایک ممتاز اقبال شناس اور ماہرِ معاشیات تھے، کا آبائی تعلق دراصل ضلع گجرات کے شہر جلال پور جٹاں سے تھا جہاں وہ 1896ء میں پیدا ہوئے تھے، اور یہی نسبت اکثر مختار مسعود کے ابتدائی پس منظر کے ساتھ بھی جڑی رہی۔ بعد ازاں، جب شیخ عطاء اللہ 1929ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں معاشیات کے پروفیسر مقرر ہوئے تو وہ اپنا آبائی گاؤں چھوڑ کر مستقل طور پر علی گڑھ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اسی علمی اور ادبی ماحول میں مختار مسعود کی تربیت ہوئی اور ان کی شناخت ایک مخصوص جغرافیائی وابستگی سے بالاتر ہو کر ان کی تحریروں اور فکر میں ڈھل گئی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ زندگی بھر اپنی ذات کو کسی ایک شہر یا تاریخ کا پابند کرنے کے بجائے اپنی تخلیقی اور فکری میراث کو مقدم رکھتے رہے۔

مختار مسعود کی ابتدائی تعلیم علی گڑھ ہی میں ہوئی اور اعلیٰ تعلیم انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے کی شکل میں حاصل کی۔ پاکستان کے قیام کے بعد شیخ عطاء اللہ نے اس نئی سرزمین کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا حالانکہ یہی وہ خواب تھا جسے علامہ محمد اقبال نے دیکھا تھا۔ مختار مسعود بھی اپنے خاندان سمیت پاکستان آ گئے اور 1949ء میں یہاں ہونے والے مسابقتی امتحانات میں کامیابی حاصل کی۔ سول سروس میں انہوں نے مختلف اہم عہدوں پر کام کیا، متعدد اداروں کے سربراہ رہے اور وفاقی سیکریٹری بھی بنے۔

جب لاہور میں مینارِ پاکستان کی تعمیر جاری تھی، اس وقت اسے "یادگارِ پاکستان" کہا جاتا تھا۔ اسی دور میں مختار مسعود لاہور کے کمشنر مقرر ہوئے اور انہوں نے اس کا نام "مینارِ

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

پاکستان" رکھوایا، کیونکہ ان کے خیال میں "یادگار" کا لفظ فوت شدہ افراد کے لیے استعمال ہوتا ہے، جبکہ پاکستان ایک زندہ حقیقت ہے جو ہمیشہ قائم رہے گی۔ اپنی تصنیف "آوازِ دوست" میں انہوں نے بتایا ہے کہ تعمیراتی کمیٹی کے اجلاس میں پہلی بار شریک ہوتے ہی انہوں نے یہ نکتہ اٹھایا تھا۔

مختار مسعود کا اپنی ذات اور شہرت سے دامن بچانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ وہ نہ تو اپنی تاریخ پیدائش جیسے معمولات میں اُلجھے نہ کبھی کسی سے اپنی کتابوں پر فرمائشی مقدمات لکھواتے۔ نہ انھوں نے کبھی کتابوں کی رونمائی کی، اور نہ ہی کبھی اپنی تعریف میں تنقیدی مضامین لکھوائے۔ یہ حال تھا کہ وہ اتنے بڑے عہدوں پر فائز تھے کہ ایک اشارے پر خوشامدیوں کی پوری فوج انھیں اردو ہی کیا دنیا کا سب سے بڑا ادیب قرار دینے کو تیار ہو جاتی۔ ادبی جرائد ان پر خصوصی نمبر شائع کرتے، یونیورسٹیاں ان پر تحقیق کرواتیں، نقاد انھیں سر آنکھوں پر بٹھاتے، اور ان کی شخصیت پر کتابیں لکھی جاتیں۔ لیکن مختار مسعود ان سب 'چھوٹی باتوں' سے بہت بلند تھے۔ انھوں نے کبھی اپنی کسی کتاب پر کسی نقاد یا محقق کی رائے شائع نہیں کروائی۔ ہر کتاب کا مختصر دیباچہ خود تحریر کیا حتیٰ کہ "آوازِ دوست" کا دیباچہ محض تین سطروں پر محیط ہے۔

> "اس کتاب میں صرف دو مضمون ہیں، ایک طویل اور دوسرا طویل تر۔ ان دونوں مضامین میں فکر اور خون کا رشتہ ہے۔ فکر سے مراد فکرِ فردا ہے اور خون سے خونِ تمنا۔"(۱)

یہ عنوان "آوازِ دوست" فارسی کے ایک شعر سے اخذ کیا گیا ہے اور اس خیال کی ترجمانی کرتا ہے کہ چاہے محبوب حقیقی ہو یا فرضی، لیلیٰ ہو یا ملک اُس کی صدا کسی نہ کسی طرح عاشق تک پہنچ ہی جاتی ہے، اور عاشق یہ سوچ کر حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ یہ آواز کس جہت سے، کن ذرائع سے اُس تک آئی۔ مختار مسعود کا محبوب پاکستان تھا۔ یہ کتاب اُن کے اپنے دل کی پکار بھی ہے اور اُن کے محبوب کی جانب سے آتی ہوئی صدا بھی۔ اس آواز کی صحیح تعبیر اور تشریح تبھی ممکن ہے جب آپ نے بھی کسی سے، کسی وطن سے، دل کی گہرائی سے لگاؤ کیا ہو اور اس سچے عاشق کے جذبے میں ذرا برابر ہی سہی، شامل ہو جائیں۔ ورنہ یہ آواز آپ کے کانوں سے ٹکراتے ہوئے پلٹ جائے گی اور جگر تک نہیں اترے گی، بالکل ویسے ہی جیسے بہت سے نام نہاد عقلمندوں کے لیے اسے سمجھنا ممکن نہیں ہو سکا۔

پہلا مضمون، "مینارِ پاکستان" اس قومی شان و عظمت کی علامت کے آئینے میں تحریکِ پاکستان کے اُن پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے جن کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں تو موجود ہے لیکن ہم پاکستانیوں نے اُنہیں محبت کی سنہری روشنی میں کبھی نہیں دیکھا۔ مختار مسعود اس تحریر میں ایک ایسا جادوئی چراغ تھامے کھڑے ہیں جس کی کرنوں سے پاکستان اور اس کی بنیادوں میں چھپی ہوئی صدیوں کی قیمتی تاریخ چمک اُٹھتی ہے۔ کاش ہماری نوجوان نسل اور نام نہاد تعلیم یافتہ سیاست دان بھی اسے غور سے پڑھ لیں۔ دوسری تحریر "قحط الرجال" اس افسوس ناک حقیقت کا دلی غم دلانے والی ہے کہ اب ہم نے بڑی ہمتیں پیدا کرنا بند کر دی ہیں اب ہمارے ہاں چھوٹے لوگ ہی جنم لیتے ہیں۔ مصنف کا قلم ہے: "قحط میں موت سستی ہو جاتی ہے اور قحط الرجال میں زندگی۔ موضوع کے علاوہ فنی چابکدستی بھی اس کتاب میں واضح ہے۔ مختار مسعود نے محض فنی مہارت حاصل کرنے کے لیے زبان کا استعمال نہیں کیا، بلکہ انھوں نے اپنی منفرد اسلوب سازی کے ذریعے زبان کو ایک نئی جہت عطا کی ہے۔ ان کی تحریر میں نئی نئی لفظیات، محاوروں اور استعاروں کا ایسا حسین امتزاج ملتا ہے جو ہر حوالے سے بے مثال اور انفرادیت کا حامل ہے۔ ہر جملہ اپنے اندر ایک نئی تازگی لیے ہوئے ہے، جہاں لفظ محض ابلاغ کا ذریعہ نہیں، بلکہ احساس اور منظر کشی کا مؤثر اوزار بن جاتا ہے۔ یہی وہ خصوصیت ہے جو قاری کو بار بار اس کے تخلیقی سحر میں جکڑے رکھتی ہے۔

آوازِ دوست جدتِ ادا، ندرتِ خیال، فکری بلندی، فنّی روانی، منفرد پیرائے، جمالیاتی اظہار کے جزوی عناصر اور صناعی کا ایک شاہکار ہے۔ مختار مسعود چیدہ الفاظ، سنگ تراشیدہ جملوں اور دلکش خیالات کے ذریعے ایک سحر انگیز حسن کی فضا تعمیر کرتے ہیں۔ اُن کی تحریر میں ایسی شیریں روانی، نرمی اور سہولت ہے کہ قاری اِس کے جادو میں گرفتار ہو کر روحانی لطف اُٹھانے لگتا ہے۔ اُنہوں نے اپنی نثر میں تشبیہ، استعارہ، کہاوتیں، محاورے، علامت، طنز، اختصار، وسعتِ لفظی، تقابل، محال گوئی، تضاد، تجنیس، تلمیح اور قافیہ جیسے شعری لوازم و محاسن کو برت کر اِسے اثر دار اور شاعرانہ بنا دیا ہے۔

> ادب کی تاریخ ایسی مثالیں پیش کرتی ہے جہاں بعض نثر نگاروں نے اپنی تاثیر، توانائی، دلکشی اور دلربائی سے شاعروں کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کچھ کا نثر نگاری کا فن شاعری کی بلند ترین باریکیوں کو نہ صرف چھوتا ہے بلکہ لطف و انبساط میں بہت سے مشہور و معروف شعرا کے کلام پر بھی بازی لے جاتا ہے۔ مختار مسعود بھی ان چند ایک نثر نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جن کی نثر کو بڑے بڑے شاعروں کی شاعری پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔(۲)

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

مختار مسعود کو جزئیات نگاری سے غیر معمولی لگاؤ ہے۔ یہ شوق آواز دوست میں عشق کی حد تک جا پہنچتا ہے، اور اس کا جوبن اُس وقت عیاں ہوتا ہے جب وہ قحط الرجال میں کرداروں کی عکاسی کرتے ہیں۔ اُن کا مشاہدہ اتنا گہرا اور اظہار اتنا مؤثر ہے کہ دیکھنے والا رشک کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو یوں لگتا ہے کہ گویا وہ اپنی فضیلت اور ذہانت سے قاری پر اپنی برتری جتا رہے ہیں۔

> روشن بیضوی چہرہ، چمکدار آنکھیں اور رعب دار آواز، کم گو اور کم آمیز، خاموشی میں باوقار اور گفتگو میں۔۔۔۔۔۔۔ میں اتنے سیدھے کہ اپنی بلند قامت سے بلند تر اور اپنی عمر سے کمتر لگتے ہیں۔۔(۳)

کسی تاریخی شخصیت یا واقعے کی طرف محض چند لفظوں میں اشارہ کرنے کو تلمیح کہتے ہیں۔ اردو کے تقریباً تمام صاحبِ اسلوب نثر نگاروں نے اپنی تخلیقات میں اس فن کو برتا ہے، جس سے ان کی تحریروں کے معانی میں غیر معمولی گہرائی اور وسعت پیدا ہوئی ہے۔ اسی طرح مختار مسعود نے بھی "آواز دوست" میں تشبیہات اور استعارات کے ساتھ ساتھ تلمیحات کا خوبصورت استعمال کیا ہے۔ ان کے اس اسلوب نے آواز دوست کے فکری اور جذباتی پہلوؤں کو مزید مؤثر اور یادگار بنا دیا ہے۔

> اس مقام پر ملکہ ایلز بیتھ قید تھی اور اس مقام پر فادر فشر بند تھا۔ جب ہم کوہ نور تک پہنچے تو شوق کی آگ ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ ہیرا دیکھ کر مجھے مایوسی ہوئی۔ نادر شاہ نے خواہ مخواہ اس پتھر کے لیے قتل عام کیا اور یونہی اپنی نئی ٹوپی اس کی خاطر ایک بوسیدہ پگڑی سے بدل لی۔ مجھے تو یہ ہیرا ایک آنکھ نہ بھایا مگر جب رنجیت سنگھ نے اسے دیکھا تو بقول مورخ سرکار دولتمدار از مشاہدہ الماس بسیار از بسیار مفرح و منشرح شدہ، میں جواہرات کے کمرے سے دل گرفتہ باہر آیا۔ گائیڈ بولا، یہاں ملکہ این، ملکہ کیتھرائن، سر تھامس مور اور لیڈی جین گرے کے سر جلاد نے قلم کیے تھے، اس حصے کو بلڈی ٹاور کہتے ہیں۔(۴)

نثر میں جب استعارے اور تشبیہات آ جائیں تو ایک خاص قسم کی لہر دوڑنے لگتی ہے گویا تحریر کے اندر کوئی باجا بجنے لگا ہو۔ لیکن اگر قافیے بھی ساتھ ہوں تو پھر تو ہر سطر سے موسیقی ٹپکنے لگتی ہے، جیسے الفاظ خود چھنکار اٹھیں۔ مختار مسعود نے نثر میں قافیہ بندی کو ایسے برتا ہے کہ جہاں شاعری کا جادو جاگ اٹھتا ہے وہیں عبارت بوجھل یا بناوٹی نہیں ہوتی۔ اُن کا ہنر یہ ہے کہ آہنگ بھی ہو اور روانی بھی گویا قافیے نظم کی ضد کے بجائے نثر کی روح بن جاتے ہیں۔

> یہ ڈرامے کا پہلا منظر ہے جس کا عنوان ہے 'تنگ آمد۔ ظاہر ہے کہ مسلمانان ہند کی کشمکش کے اگلے منظر کا عنوان بجنگ آمد ہو گا۔(۵)

مختار مسعود جب تاریخی واقعات پیش کرتے ہیں تو وہ محض مشاہدے اور تخیل کی جھلملاہٹ پر انحصار نہیں کرتے۔ مختلف مقامات پر تاریخی حوالوں کا استعمال ان کی تاریخ شناسی پر ایک مضبوط مہرِ تصدیق کا کام کرتا ہے، جس سے ان کی تحریر میں صداقت اور گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ قارئین کے لیے سہل اور دلچسپ انداز میں ربانی کمالات سے روشناس ہونے کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔ اس طرح پڑھنے والے نہ صرف تاریخ کو برتتے ہوئے دیکھتے ہیں بلکہ خالقِ کائنات کی نشانیوں سے بھی بے تکلفی سے ہم کنار ہو جاتے ہیں۔

> کیوں صاحب! پرانے انسانوں کو جغرافیہ بنانے کا کیوں حق تھا اور ہمیں وہ حق کیوں حاصل نہیں۔ تحریک کے کارکنان نے جغرافیے کا یہ سبق سنا اور تاریخ بنانے میں مصروف ہو گئے ۔1946 میں وزارتی مشن نے پاکستان کو نامناسب قرار دیا، پھر منظر پر نئے اور آخری وائسرائے تشریف لائے اور اپنے سیکرٹری سے کہنے لگے، مسٹر جناح مجھ سے گفتگو کر سکتے ہیں مگر فیصلہ میرا ہی رہے گا۔ یہ ساری باتیں بڑے تحمل سے قائد اعظم نے سنیں اور کہا: دولت برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتی ہے اور گاندھی جی مسلم ہندوستان پر

> حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ ہم دونوں کو اپنے پر حکومت نہ کرنے دیں گے،خواہ دونوں متحد ہو کر یا تنہا کوشش کر دیکھیں۔(۶)

مجموعی طور پر مختار مسعود کا طرز تحریر ان کی جاذب نظر اور ہمہ جہت شخصیت کا عکاس ہے،جو ہر موڑ پر علی گڑھ کی فکری روایت سے جڑی نظر آتی ہے۔ علی گڑھ چونکہ تحریک آزادی اور پاکستان کے تصور کی علامت ہے، لہٰذا مسعود کے اسلوب میں بھی اسلام، حریت اور وطن کی قدریں گھل مل گئی ہیں۔ان کے ہاں زبان کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔فارسی وار دو ادب سے گہری وابستگی، پختہ فکر، محتاط لفظ گری اور تاریخ کے بر محل حوالے ان کی تحریر کو ایک منفرد وقار بخشتے ہیں۔یہ وہ خوبیاں ہیں جو کسی صاحبِ اسلوب ادیب کی پہچان ہوتی ہیں۔اس کے ساتھ ان کا منطقی تجزیہ اور بے لاگ اظہار کا دوٹوک انداز ان کی نثر میں دلکشی کے ساتھ دلاوری بھی پیدا کرتا ہے۔یہی وہ امتیاز ہے جو انہیں دیگر اہلِ قلم سے جدا کرتا ہے اور ان کے اسلوب کو جاویدانہ خصوصیت عطا کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مختار مسعود، آواز دوست،(مقدمہ)،لاہور، نقوش پریس، فروری،۲۰۱۰،

۲۔ نظیر صدیقی، مشمولہ، تنقیدی مقالات، پشاور، شعبہ اردو جامعہ پشاور،۱۹۹۶، ص۸۸

۳۔ مختار مسعور، آواز دوست، ص۲۳۰

۴۔ ایضاً، ص۱۷

۵۔ ایضاً، ص۳۱

۶۔ ایضاً، ص۳۳